International Research Journal of Arabic and Islamic Studies, Vol.:04, Issue: 01, Jan-Jun 2024
pp:307 - 324

OPEN ACCESS
IRJAIS
ISSN (Online): 2789-4010
ISSN (Print): 2789-4002
www. irjais.com

اختلاف اور مخالفت کی مروجہ صورتوں کے محرکات وعوامل کا تحقیقی جائزہ

A Research Study on the Motivations and Factors Behind the Manifestations of Disagreement and Opposition

Dr Noreen Naz
Visiting Assistant prof.in Department of Islamic Studies,GC women University Faisalabad,Pakistan
Noreenazam313@gmail.com
Saima Anwar
Visiting lecturer GCWUF saimaarifrana786@gmail.com
Ghulam Dastgir Ahmad
Ph.D. Research Scholar MY University, Islamabad
(ghulamdastgir416@gmail.com)

Abstract

This research study delves into the intricate motivations and underlying factors that drive the manifestations of disagreement and opposition within various contexts. The research aims to uncover the psychological, social, and cultural aspects that contribute to individuals or groups expressing dissenting views or opposing positions. By employing a multi-disciplinary approach, including psychological theories, sociological frameworks, and cultural analysis, this study seeks to provide a comprehensive understanding of why and how disagreement and opposition emerge. Through qualitative and quantitative methodologies, including surveys, interviews, and content analysis, the study will examine real-life scenarios and perceptions to identify common patterns, key influencers, and potential mitigating strategies. The findings from this research are expected to shed light on the complexities of disagreement and opposition, offering insights that can inform decision-making processes, conflict resolution strategies, and promote constructive dialogue in diverse settings.

Keywords: disagreement, opposition, motivations, factors, manifestations, psychology, sociology, culture, conflict resolution, decision-making

تعارف موضوع

اختلاف اور مخالفت انسانی معاشرت کا ایک لازمی حصہ ہیں، جو نہ صرف شخصی سطح پر بلکہ اجتماعی اور ثقافتی سطح پر بھی مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتی ہیں۔ اس تحقیقی مطالعے کا مقصد اختلاف اور مخالفت کے پیچھے موجود نفسیاتی، سماجی، اور ثقافتی عوامل کا

CC BY

جائزہ لینا ہے جو مختلف تناظر میں ان کے ظہور کا سبب بنتے ہیں۔ اختلافات کی وجوہات کو سمجھنے کے لیے اس مطالعے میں نفسیات، سماجیات، اور ثقافت کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کیا جائے گا۔ اس مطالعے میں نفسیاتی نظریات، سماجیاتی فریم ورک، اور ثقافتی تجزیے کو بروئے کار لاتے ہوئے یہ جاننے کی کوشش کی جائے گی کہ کس طرح افراد یا گروہ اپنے متضاد خیالات اور اختلافی موقف کا اظہار کرتے ہیں۔ مطالعے کا مقصد حقیقی زندگی کے منظرناموں اور تاثرات کا تجزیہ کرنا ہے تاکہ عام رجحانات، اہم اثرانداز عوامل، اور ممکنہ تدارک کی حکمت عملیوں کی نشاندہی کی جاسکے۔ اس تحقیق کے نتائج سے اختلاف اور مخالفت کی پیچیدگیوں کو سمجھنے میں مدد ملے گی اور یہ فیصلہ سازی کے عمل، تنازعات کے حل کی حکمت عملیوں، اور مختلف حالات میں تعمیری مکالمے کو فروغ دینے کے لیے مفید ثابت ہوں گے۔

اختلاف کی لغوی اور شرعی تعریف

اختلاف مصدر ہے، جو باب افتعال سے ہے اور اتفاق کی ضد ہے، جس کا معنی تضارب في الرای اور انعدام الاتفاق وغیرہ ہے۔

اختلف الامران لَم یتفقا وکل مالَمُ یتساو فقد اختلف[1]

ترجمہ:۔(اختلاف کا معنی ہے) دوامروں کا باہم متفق نہ ہونا، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ہر وہ چیز جو برابر نہ ہو، تو گویا کہ وہ آپس میں مختلف ہو گیا

اختلاف کی تعریف علامہ جرجانی فرماتے ہیں:

منازعة تجری بین المتعارضین لتحقیق حق و ابطال باطل [2]

ترجمہ: اختلاف وہ آپسی بحث و مباحثہ اور علمی مناقشہ ہے، جو دو فریق کے درمیان اثبات حق اور ابطال باطل کے لیے ہو

فیروز آبادی نے اختلاف کی تعریف یہ کی ہے:

الاختلاف ما المخالفة أن یاخذکل واحد غیر طریق آخر فی حاله او فعله و قوله [3]

ترجمہ: اختلاف متخاصمین میں سے ہر ایک کا دوسرے کے قول و فعل اور حالت کے خلاف راستہ کو اپنانے کا نام ہے۔

الاختلاف اور الخلاف میں فرق:

اختلاف کا استعمال اس قول پر ہوتا ہے جس کی بنیاد دلیل پر ہو جبکہ خلاف کا استعمال اس قول پر ہوتا ہے جس کی بنیاد دلیل پر نہ ہو۔ اکثر علمائے عرب نے اس کی تائید کی ہے کہ راجح قول کے مقابلہ میں اگر مرجوح قول آئے تو اسے اختلاف نہیں، بلکہ خلاف کہیں گے۔

ثبوت الضعف في جانب المخالف في الخلاف كمخالفة الاجماع وعدم ضعف جانبه في الاختلاف [4]

ترجمہ: یعنی جانب مخالف سے ضعف کا ثابت ہونا خلاف کہلاتا ہے جب کہ اس کا برعکس اختلاف کہلاتا ہے۔ اور بعض فقہا و اصولیین کے نزدیک دونوں لفظوں میں اعتباراً کوئی فرق نہیں ہے، بلکہ کبھی کبھی وہ دونوں لفظوں کو ایک ہی معنی میں استعمال کرتے ہیں۔

اقسام اختلاف:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اختلاف کو انسان کی فطرت وطبیعت کا ایک جزء لاینفک بنایا ہے، حد تو یہ ہے کہ باپ بیٹے کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ باوجود اس کے کہ بیٹا اپنے باپ سے ہی وجود پاتا ہے اور اس کے وجود کا ایک حصہ وجز ہوتا ہے، پھر بھی باپ بیٹے کے درمیان مختلف قسم کے اور مختلف وجوہ سے اختلاف پائے جاتے ہیں۔ مثلاً عقل ومزاج شکل وصورت ورنگ وغیرہ میں۔ یہ کوئی امر بدیع نہیں ہے، بلکہ یہ تو ایک ربانی نظام ودستور ہے، جس کا پایا جانا انسانی دنیا میں ایک مسلمہ بات ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ إِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ [5]

ترجمہ:۔ اور اگر تمہارا رب چاہتا تو سب آدمیوں کو ایک ہی امت کر دیتا اور وہ ہمیشہ اختلاف میں رہیں گے مگر جن پر تمہارے رب نے رحم کیا۔

امام رازی رحمتہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:۔ اس سے مراد لوگوں کا دین واخلاق وافعال میں اختلاف ہے۔ لیکن اس تباین و قابلیت اختلاف کے باوجود اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم پر ہدایت کے چراغ روشن کر دیئے ہیں۔ جس کی شکل مذاہب اربعہ کا اجتہادی اختلاف ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ [6]

ترجمہ: تو اللہ نے ایمان والوں کو وہ حق بات سوجھا دی جس میں جھگڑ رہے تھے اپنے حکم سے۔

اختلاف دراصل دو قسم کا ہوتا ہے۔ اختلاف حقیقی۔ اختلاف غیر حقیقی

اختلاف حقیقی:

اس سے مراد دو حکموں میں ایسا تعارض ہے کہ وہ دونوں حکم واقع میں معاً صحیح نہ ہوں یعنی ایک صحیح ہو تو دوسرا غلط ہو۔ مثلاً ایک شخص کہے فعل حلال ہے اور دوسرا اس کو حرام یا قبیح کہے تو ظاہر ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ ایک ہی حکم واقع میں حلال بھی ہو اور حرام بھی ہو۔ اب یہ تعارض خواہ درجہ تناقص میں ہو کہ دونوں حکم کا نہ اجتماع ہو سکتا ہے اور نہ ارتفاع ہو سکتا ہے۔ مثلاً جس طرح یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ فعل حلال بھی ہو اور حرام بھی ایسے ہی یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ فعل واقع میں نہ حلال ہو نہ حرام ہو۔ یا دونوں حکم ایک دوسرے کے متضاد ہوں، یعنی دونوں حکموں کا اجتماع تو نہیں ہو سکتا لیکن دونوں کا ارتفاع (خاتمہ) ہو سکتا ہے۔ جیسے ایک شخص کہے کہ یہ فعل مباح ہے اور دوسرا کہے کہ مستحب ہے۔ تو ظاہر ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ وہ فعل ایک ساتھ اصطلاح میں مباح بھی ہو اور مستحب بھی ہو مگر یہ ہو سکتا ہے کہ نہ مباح ہو نہ مستحب بلکہ مکروہ و بدعت ہو۔

اختلاف غیر حقیقی:

اس سے مراد یہ ہے کہ ان دو مختلف حکموں میں تعارض نہ ہو بلکہ دونوں حکم معاً صحیح ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ایک پتھر سفید ہے اور ایک سیاہ ہے، دونوں کا رنگ مختلف ہے، مگر حکم صحت میں دونوں مجتمع ہیں، کیونکہ ایک کے سفید ہونے سے دوسرے کے سیاہ ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔ اسی طرح اگر زمانہ کا فرق ہو مثلاً ایک زمانہ میں شراب حلال تھی دوسرے زمانہ میں حرام ہوگئی تو دونوں صحیح ہیں۔ اور یہ اختلاف غیر حقیقی واقع میں اختلاف نہیں محض صورت میں اختلاف ہے۔ یعنی یہ اختلاف حقیقی نہیں بلکہ اختلاف صوری ہے

اختلاف کی شرعی حیثیت:

اللہ تعالیٰ نے اختلاف کو دنیوی زندگی اور اہل دنیا کی فطرت و طبیعت کا جزء بنایا ہے حتی کہ باپ اور بیٹے کے درمیان بھی اختلاف پایا جاتا ہے باوجود کہ بیٹا اپنے باپ سے وجود پاتا ہے اور اس کے وجود کا ایک جزء وحصہ ہوتا ہے پھر بھی باپ و بیٹے کے درمیان مختلف قسم کے اور مختلف وجوہ سے اختلاف پائے جاتے ہیں مثلاً فکر و مزاج اور شکل وصورت ورنگ وغیرہ اور اس کے باوجود کہ اختلاف ایک ربانی نظام و دستور ہے مگر لوگ اسکی وجہ سے بہت تنگ دل ہوتے ہیں اور پھر اس قسم کے سوالات کرتے ہیں کہ آخر علماء کے درمیان یہ اختلاف کب تک رہیں گے؟ اور مسلمانوں کا اختلاف کب تک رہے گا؟ آخر سب مسلمان ایک اور متفق و متحد کیوں نہیں ہوتے؟۔ اس قسم کے سوالوں کا جواب یہ ہے کہ یہ اختلاف تو اس وقت تک باقی رہے گا جب تک دنیا قائم ہے اور جب تک دنیا فنا نہیں ہوتی۔ اس لیئے اس کو تو سوچو ہی نہیں یا یہ خواب ہی مت دیکھو کہ لوگ کبھی ہر قسم کا اختلاف ختم کر کے پورے طور پر متفق و متحد ہو جائیں گے۔ ارشاد ربانی ہے

وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبِّكَ [7]

ترجمہ اور یہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہے گے مگر جس پر آپ کا رب رحم کر دے۔

اس آیت مبارکہ میں اس بات کیطرف اشارہ ہے کہ اختلاف کا وجود حق تعالی کی طرف سے ہے اور یہ اسکی تقدیر ہے اور از روئے تقدیر ہی اس کا وقوع ہے البتہ شریعت کی رو سے بعض اختلافات (جائز و مقبول) ہوتے ہیں اور بعض مذموم و ناجائز ہوتے ہیں ۔ اگر تمہارا یہ گمان ہو کہ علم کی وسعت اور تدوین کی کثرت سے اختلاف ختم ہو سکتا ہے اور ہو جاتا ہے تو اپنے گمان کی اصلاح کر لو کیونکہ جو حضرات انسانوں میں بڑے صاحب علم۔ کتاب و سنت سے خوب واقف اور انتہائی مخلص نیز خواہشات نفسانیہ سے انتہائی دور ہوتے ہیں تم ان میں بھی اختلاف پاؤ گے ائمہ امت کے درمیان پائے جانے والے اختلافات سے متعلق گفتگو کرنے والے حضرات اگر تمہارا یہ گمان ہو کہ علم کی وسعت اور تدوین کی کثرت سے اختلاف ختم ہو سکتا ہے اور ہو جاتا ہے تو اپنے گمان کی اصلاح کر لو کیونکہ جو حضرات انسانوں میں بڑے صاحب علم کتاب و سنت سے خوب واقف اور انتہائی مخلص نیز خواہشات نفسانیہ سے انتہائی دور ہوتے ہیں تم ان میں بھی اختلاف پاؤ گے ائمہ امت کے درمیان پائے جانے والے اختلافات سے متعلق گفتگو کرنے والے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ یھم اجمعین کے اختلاف کا تذکرہ ضرور کرتے ہیں اس لیئے کہ ان حضرات کے درمیان بہت سے اختلافات ہوئے جیسے حضرات انصار کے درمیان پیدا ہونے والا ایک اختلاف جس کی طرف حق تعالیٰ نے اپنے ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے۔

وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِن بَغَتْ إِحْدَ هُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللهِ فَإِن فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ أَقْسِطُوا [8]

ترجمہ: اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان اصلاح کر د (صلح کرادو) پھر اگر ان کا ایک گروہ دوسرے پر زیادہوتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو جائے پھر اگر رجوع ہو جائے تو ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ اصلاح کر دو۔

اس آیت میں ان کے جس قتال وجدال کا تذکرہ ہے وہ بس زبانوں اور ہاتھوں کے استعمال کی ہی حد تک تھا۔ اور ان کا یہ اختلاف در اصل ایک سابق معاملے کے اختلاف کا اثر ورد عمل تھا جو اسلام کی آمد سے پہلے انصار میں اوس وخروج کے درمیان پایا جاتا تھا۔ اسی طرح حضرات انصار کے ایک خاندان بنو عمرو بن عوف کا اختلاف جس کو ختم کرنے کے لئے نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام تشریف لے گئے اور ان کے معاملات کو حل کرنے میں آقا کریم علیہ السلام کچھ ایسے مشغول ہوئے کہ نماز کے وقت مسجد نبوی تک پہنچنے میں تاخیر ہوئی تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ [9]

ایسے ہی حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کی وفات کے بعد صحابہ کرام کے درمیان پیدا ہونے والا اختلاف ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے جانشین کے متعلق صحابہ میں اختلاف ہوا۔ حضرات انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور انہوں نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالی عنہ کا نام تجویز کیا اگرچہ بعد میں سب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ پر متفق ہو گئے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ نے ان کو اس بابت حضور اکرم علیہ السلام کی ہدایات سنائیں اور یہ بتایا کہ امارت وخلافت کا نظام تو قریش ہی میں صحیح رہ سکتا ہے۔[10]

اسی طرح بہت سے شرعی مسائل اور وقتی مسائل میں صحابہ کرام کے اختلاف ہوئے لیکن بعد میں ایسے اکثر مسائل میں وہ ایک رائے ہو جاتے تھے اور خاص طور بڑے اور دور رس اثرات رکھنے والے معاملات وامور میں ان کا اختلاف ضرور ختم ہو گیا۔ البتہ بہت سے فقہی علمی مسائل میں ان کا اختلاف برابر باقی رہا۔ تو جو لوگ امت میں سب سے بہتر وافضل اور سب سے پاکیزہ نیز سب سے زیادہ امت کی ضرورت کا علم رکھنے والے تھے۔ جب ان کے درمیان اختلاف ہوئے تو دوسروں کے متعلق سوچا جا سکتا ہے کہ ان میں اختلاف کیوں نہ ہو گا اور کیسے نہ ہو گا۔

اختلاف کو جڑ سے مٹانا اور ختم کرنا ممکن نہیں ہے اس لیئے جو لوگ یہ سوچتے اور خواب دیکھتے ہیں کہ امت ایک جیسی ایک نہج ورخ کی ہو جائے سب کے دل ایک آدمی کا دل رکھیں ان میں باہم کوئی اور کسی قسم کا اختلاف نہ ہو سب کے سب حق پر اور قول راجح یا صحیح ومختار قول پر ہوں وہ ایسی چیز کا خواب دیکھتے ہیں جس کا وجود ممکن نہیں ہے اور جو پوری تاریخ اور گزرے ہوئے زمانے میں نہیں ہو سکی اس لیئے کہ دن بدن حالات میں شدت پیدا ہوتی جارہی ہے اور باہمی اختلاف کا دائرہ برابر بڑھتا وپھیلتا جارہا ہے۔

اختلاف کے اصول اور آداب:

اختلاف کو کس طرح برتا جائے اور نبھایا جائے۔ اس کے کچھ اصول وضوابط ہیں اور یہ مستقل ایک علم ہے آج پڑھا پڑھایا جاتا ہے اور کتب خانے لائبریریاں اس فن کی کتابوں سے بھری ہوئی ہیں۔ جو طرح طرح کی ہیں قلمی، مطبوعہ، اصل و ترجمہ، جدید وقدیم سب قسم کی کتابیں اور نسخے موجود ہیں۔

چند بنیادی اصول اور قواعد:

کتاب وسنت کا اعتصام والتزام:

اللہ رب العزت کا ارشاد پاک ہے

وَمَا اخْتَلَفْتُم فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللهِ ذَلِكُمُ اللهُ رَبِي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ[11]

ترجمہ: اور جس بات میں تم اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے یہ اللہ میرا رب ہے میں اسی پر توکل کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں

اسی طرح قرآن پاک میں ہے

فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ [12]

ترجمہ۔ پھر اگر کسی چیز میں تم باہم اختلاف کرنے لگے تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کے حوالے کر دیا کرو۔ اگر تم اللہ اور یوم قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔

ایک اور جگہ پہ اللہ رب العزت کا یہ بھی ارشاد پاک ہے

إِن هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ [13]

ترجمہ: بلاشبہ یہ قرآن ایسے طریقہ کی ہدایت کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے

سنت نبویہ کے بارے میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أَسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ الله كثيراً [14]

ترجمہ: تم لوگوں کے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ سے اور روز آخرت سے ڈرتا ہے اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہو رسول اللہ کی زندگی ایک عمدہ نمونہ ہے

باہمی گفتگو:

مذاکرہ اور باہمی گفتگو کی نوبت انہیں لوگوں کے درمیان آتی ہے جن میں آپس میں اختلاف ہو، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اچھے طریقہ و انداز سے بحث و مباحثہ کا حکم دیا ہے حتیٰ کی اہل کتاب کے ساتھ بھی اس کا حکم ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے

وَلَا تُجادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُو امِنْهُمْ [15]

ترجمہ: اور تم اہل کتاب سے بجز مہذب طریقے کے مباحثہ مت کرو، ہاں جو ان میں زیادتی کریں

حتی کہ جو لوگ اصول میں مخالفت رکھتے ہوں تو اہلسنت رکھنے والوں کو ان سے بھی اچھے انداز میں مذاکرہ و گفتگو کرنی چاہیے

حق تعالیٰ نے ابلیس سے جو کچھ فرمایا تھا اس کا تذکرہ ہمارے لیئے اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے

قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَن تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَّى اَسْتَكْبَرْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِينَ
قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ [16]

ترجمہ: حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابلیس جس چیز کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اس کو سجدہ کرنے سے تجھ کو کون چیز مانع ہوئی تو غرور میں آگیا یا یہ کہ تو واقع میں بڑے درجہ والوں میں ہیں؟ کہنے لگا کہ میں آدم سے بہتر ہوں کہ آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو خاک سے پیدا کیا ہے۔

اسی طرح حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کی مناسبت سے فرشتوں سے جو فرمایا تھا اس کا تذکرہ فرمایا ہے اس لیئے مختلف سطح پر مذکرات ہونے چاہئیں اسلامی جماعتوں تنظیموں کے درمیان حکومتوں کے درمیان مختلف جماعتوں وگروہوں کے درمیان اور لوگوں کو آزادی سے اپنی آراء وافکار بیان کرنے کا موقع دینا چاہیئے اس لئے کہ اس صورت میں غلط ومتحرف افکار و آرا خود اپنی موت آپ دب جاتے ہیں اور جو چیز صحیح ہوتی ہے وہی باقی رہتی ہے باہمی مذاکرات سے ان لوگوں کو قابو کیا جا سکتا ہے جو توحش وکشائش کا شکار ہوتے ہیں اور ان کو ایک پر امن و پر سکون معاشرہ کا جزء وحصہ بنایا جا سکتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَا نفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ [17]

ترجمہ: خدا ہی کی رحمت کے سبب آپ ان کے ساتھ نرم رہے اور اگر آپ تند خو سخت طبیعت ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے سب منتشر ہو جاتے۔

پر سکون علمی مناظرہ حق تک پہنچنے کے ذرائع میں سے ہے اور اختلاف ونزاع کرنے والوں کے درمیان قربت پیدا کرنے کا وسیلہ ہے جہاں تک سوال ہے ٹی وی چینلوں پر آنے والے مناظرہ ومذاکرت کا خواہ وہ کسی موضوع پر ہوں۔ سیاسی معاملہ ہو یا اعتقادی یا فکری ونظریاتی تو ان مناظرات کا معاملہ یہ ہے کہ ان میں سے بعض میں تو سکون تحمل نیز واقعیت واعتدال کا محاظ ہوتا ہے اس قسم کے مناظرے اچھے ہوتے ہیں جو عوام کو بات سننے پر آمادہ کرتے ہیں اور زیر بحث مسئلہ میں غور وفکر اور دوسری رائے کے قبول کرنے پر تیار کرتے ہیں لیکن بہت سے مناظرات ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کا مقصد صرف عوام کو جمع کرنا واکٹھا کرنا ہوتا ہے اور ان میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ بہت سی مغالطہ انگیزیاں اور حقیت سے آگے بڑھ کر باتیں ہوتی ہیں اور گفتگو ومذاکرہ کے لئے نقاط بھی محدود و متعین نہیں ہوتے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان میں وقت بہت لگتا ہے اور ان کی جدوجہد کا بڑا حصہ ضائع وبیکار جاتا ہے اور اس سے یہ خرابی مزید ہوتی ہے کہ لوگوں میں حسد، عناد، تعصب اور آپسی نفرت میں اضافہ ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ پھر یہ مناظرے نہ اختلاف کرنے والوں کو قریب کرتے ہیں اور نہ ان سے کسی باطل کی وضاحت ہوتی ہے اور نہ ہی حق منکشف ہوتا ہے اور بعض اوقات اس کا زیادہ حاصل یہ ہوتا ہے کہ یہ مناظرے ایک قسم کا اعلامیہ ہوتے ہیں جبکہ ان کو بھی بڑا مرتب ومنضبط ہونا چاہیے اور ان میں سکون واعتدال ومیانہ روی کو بھی اختیار کرنا چاہئے۔

شوریٰ:

اللہ تعالیٰ نے اپنی لاریب بے عیب کتاب قرآن مجید میں بھی اس کا حکم دیا ہے ارشاد پاک ہے

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ[18]

ترجمہ: سو آپ ان کو معاف کر دیجئے اور آپ ان کے لئے استغفار کر دیجئے اور ان سے (خاص خاص) باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجئے۔ نیز ایک اور جگہ پہ اللہ رب العزت مشورہ کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے

وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُم[19]

ترجمہ اور ان کا ہر کام آپس کے مشورے سے ہوتا ہے

اسی طرح مشورے کے بارے میں سرکار کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی کام کا ارادہ کرے اور اس میں کسی مسلمان شخص سے مشورہ کرے اللہ پاک اسے دُرست کام کی ہدایت دے دیتا ہے۔[20]

اور جب کوئی کسی کے ساتھ مشورہ کرے تو ہمیشہ اچھا مشورہ دیں کیونکہ جو جان بوجھ کے غلط مشورہ دیتا ہے اس کے بارے میں سخت وعید آئی ہے چنانچہ سرکار کریم علیہ السلام نے فرمایا ہے جو شخص اپنے بھائی کو کسی بات میں مشورہ دے حالانکہ وہ اس کے لیے یہ جانتا ہے کہ بہتری دوسری بات میں ہے تو اس نے اپنے بھائی کے ساتھ خیانت کی ہے۔[21]

حضور نبی کریم علی الصلوۃ والسلام نے بھی اپنے صحابہ سے بدر، احد، خندق وغیرہ جیسے مواقع میں مشورہ فرمایا بلکہ ہر اہم معاملے میں آپ علیہ السلام اپنے اصحاب سے مشورہ طلب فرمایا کرتے تھے اور اس حوالے سے ہر ایک کو مشورہ دینے کا حق حاصل تھا یہ نہیں تھا کہ فلاں فلاں صاحب ہی مشورہ دے سکتا ہے۔ شورائی نظام کی پختگی آج ان ضرورتوں میں سے ہے جن سے مفر نہیں ہے خواہ گھریلو و خاندانی معاملہ ہو یا تعلیمی اداروں و حکومت کا اور لوگوں کے دیگر معاملات خواہ ان کا تعلق ان کے حال سے ہو یا مستقبل سے خاص طور سے جوانوں کے معاملات میں اس کو اختیار کیا جانا چاہیئے۔

کیونکہ آج اس کی بہت ضرورت ہے کہ ان کو قریب کیا جائے اور ان سے قریب ہوا جائے اور ان کے دکھ و درد کو محسوس کیا جائے ان کی مشکلات و پریشانیوں کو سنا جائے نیز یہ کہ ہم ان کو اپنی ہی رائے و قتل پر مجبور نہ کریں اور نہ ہی ہم ان کو حقیر معمولی سمجھیں۔ ان کو ان کی اہمیت کا احساس دلانا بہت بڑی ضرورت ہے اور ان کو حق سنانا ایک قطعی فرض ہے نیز ان کو حق سنانا واجب و ضروری ہے اس طور پر کہ حق کی بات بالکل صاف واضع و خالص ہو اور اس میں کسی طرح کا ہیر پھیر نیز لیپا پوتی نہ ہو۔

متفق علیہ کے دائرہ کو کارآمد و موثر بنانا:

بعض لوگ رشید رضا کا معروف قاعدہ قاعدہ المنار پڑھتے ہیں جس میں انہوں نے کہا ہے. جس چیز میں ہم متفق ہیں اس کے بارے میں ہم ایک دوسرے کے معاون ہیں اور جس میں باہم ہمارا اختلاف ہے اس میں ہم ایک دوسرے کو معذور سمجھتے

ہیں۔ اس قاعدہ کو پڑھنے والے بعض لوگ یوں کہتے ہیں۔ اتفاقی چیزوں میں ہم ایک دوسرے سے دور رہتے ہیں اور اختلافی چیزوں میں ہم ایک دوسرے کے سر توڑ ڈالتے ہیں ہم اس وقت ان لوگوں کے متعلق کوئی گفتگو نہیں کر رہے جو اصول اور قواعد شریعت میں ہمارے مخالف ہیں بلکہ ان لوگوں سے متعلق ہماری گفتگو ہے۔

جو قرآن و سنت کے اتباع کے دائرہ میں ہیں دوسروں کی بات ہی نہیں ہے متفق علیہ امور کے دائرہ کار کو موثر بنانے کا مسئلہ مصلحت واجتہاد بغور و فکر نیز تغیر احوال سے تعلق رکھتا ہے اور آج کے مسلمان تو اس کے بہت محتاج ہیں اور ان کو یہ بہت سرو یکار ہے کہ وہ اس چیز کی طرف توجہ دیں جبکہ صورت یہ ہے کہ مسلمان کمزوری کا شکار ہیں ان کے دشمن ان پر مسلط ہیں مسلمانوں کو اس بات کے سمجھنے کی ضرورت ہے کہ متفق علیہ باتوں کی شرعی حقائق میں بڑی اہمیت ہے اور دنیوی مصالح میں اس کا دائرہ بہت وسیع ہے اور اس کو بھی کہ اللہ تعالی نے بر و تقوی پر تعاون کو ہمارے لیے شروع کیا ہے خواہ کسی کے ساتھ ہو بس دائرہ نیکی و تقوی کا ہونا چاہیئے اور ہم کو گناہ نیز ظلم وزیادتی پر تعاون سے منع کیا ہے خواہ کسی کی تائید میں ہو شریعت نے تعاون کے موضوع و محدود و متعین کیا ہے جہت و آدمی کو متعین نہیں کیا ہے اور حق تعالی کے اس ارشاد ان تبرُوھُم احسان و سلوک کا برتاؤ کرو اور اس کو لتعارفوا تاکہ باہم تعارف ہو جبکہ مراد ہے تاکہ تم لوگ آپس میں اچھا اور اچھائی کا معاملہ کرو۔

ان دونوں کو ملاؤ تو خیر و مصلحت پر تعاون کی شروعیت سامنے آتی ہے اور ہر ایک کے ساتھ قریبی ہو یا دور کا اور یہ کہ گناہ وزیادتی سے دور رہا جائے چاہے اس قسم کی چیزیں بہت قریبی اور نہایت محبوب آدمی کی طرف سے پیش آئیں اور اللہ تعالیٰ سبحانہ فرماتے ہیں۔

وَالَا رُضَ وَضَعَهَاللا نَامِ [22]

ترجمہ۔ اللہ نے زمین کو خلقت کے لئے بنایا

یعنی زمین کو سارے انسانوں کے لئے اس نے بنایا ہے اس لیئے نہیں کہ سب اس پر جنگ کریں بلکہ اس لئے کہ مل کر رہیں ایک دوسرے کو سمجھیں بوجھیں اور آپس میں عدل و انصاف کا معاملہ کریں اور جب یہ حکم اس کے ساتھ ہے جو مخالف اصلی ہو تو جو ملت و مذہب یا تنظیم و تحریک کی رو سے مخالف ہو اس کے ساتھ یہ حکم کیوں نہ ہو گا۔

اجتہاد کی ہمت افزائی اور عقل کی کارکردگی و ترقی نیز فعالیت مناسب ماحول کی فراہمی:

شرعی آزادی کی فضا ہی وہ ماحول و موقع ہے کہ جس میں صحیح افکار کو ترقی و رونق حاصل ہوتی ہے اور جب صورت و ماحول یہ ہو کہ رائے کے اظہار سے پہلے آدمی کو ہزاروں حساب لگانا پڑے تو ایجاد کی موت ہو جاتی ہے حساب اس کا اور اس وجہ سے کہ جو کہنا چاہتا ہے اس کے کہنے پر تہمتوں طعن و تشنیع نیز ایذا رسانی وغیرہ کا سامنا کرنا پڑے گا ہم ابتداع (بدعات) کی بات نہیں کر رہے ہیں بلکہ ابداع (ضرورت کے مطابق نیا کام کرنے) کی بات کر رہے ہیں دونوں میں فرق ہے ابداع دنیا کے

معاملہ میں اور جس چیز سے شریعت میں سکوت ہو یا جس میں اختلاف ہو دونوں حق میں ہوتا ہے اور ابتداء دین میں اور خالص منصوص چیز میں ہوتا ہے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قصہ ہمارے لیئے نامانوس نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ بدر کے مشائخ کے ساتھ جب بیٹھتے تھے تو مجھ کو اپنے پاس بٹھاتے تھے اس پر بعض حضرات نے کہا کہ اے امیر عمر رضی اللہ تعالی عنہ اس نو عمر لڑکے کو ہمارے ساتھ آپ کیوں بٹھاتے ہیں آخر ہمارے بھی ان جیسے بیٹے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ کیا ہیں آپ لوگ جانتے ہیں ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو بلایا اور ان کے ساتھ مجھ کو بھی بلایا اور میں سمجھتا ہوں کہ اس دن انہوں نے مجھ کو اسی غرض سے بلایا کہ ان کو میری طرف سے کچھ صلاحیت ولیاقت دکھادیں اور ان بدری صحابہ کے ساتھ بٹھا دیا۔ میں سمجھ گیا کہ آپ نے مجھے اس دن اس لیے بلایا ہے تاکہ انہیں دکھا سکیں۔ پھر اُن سے پوچھا: اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟

اذا جاء نصر الله و الفتح [23]

ان میں سے کچھ نے کہا کہ جب ہمیں مدد اور فتح حاصل ہوئی تو اللہ کی حمد اور اس سے استغفار کا حکم دیا گیا ہے۔ اور کچھ لوگ خاموش رہے اور کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما! کیا تمہارا بھی یہی خیال ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ پوچھا پھر تمہاری کیا رائے ہے؟ میں نے عرض کیا کہ: اس میں رسول اللہ ﷺ کی وفات کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو اس کے بارے میں بتایا ہے اور فرمایا: کہ جب اللہ کی مدد اور فتح آپہنچے۔ جو کہ آپ کی وفات کی علامت ہو گی تو پھر آپ اپنے پروردگار کی پاکی و تعریف بیان کیجیے اور اس سے بخشش مانگا کیجیے۔ بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر کہا کہ میرے علم کے مطابق بھی یہی معنی ہے جو تم نے بیان کیا ہے۔[24]

تعمیری نقد کی ہمت افزائی نیز حالات کا پرسکون و سنجیدہ جائزہ:

خواد سیاسی صورت حال ہو جس کا تعلق حکومت سے ہو یا معاشرتی ہو جو لوگوں کی موروثی چیز سے متعلق ہوتی ہے یا دعوتی ہو جو داعیوں کے نظام اور ان کے طریقہ کار اور اسلوب و انداز سے مربوط ہو۔ ان سارے احوال شکلوں و طریقوں کو سکون یکسوئی اور آہستگی کے ساتھ دیکھنا اور سمجھنا زندگی کی ایک شرعی ضرورت ہے ہم جس حال میں ہیں وہ کسی اعتبار و جہت سے سب سے اچھی صورت حال نہیں ہے کہ ہم یہ کہہ سکیں کہ ہم جس حال میں ہیں وہ کافی و شافی ہے اس پر کسی اضافہ کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہم سب کو یہ اعتراف ہے اور کرنا چاہیئے کہ ہمارے حالات درستگی کے محتاج ہیں اور درستگی کی طرف

پہلا قدم وہ علمی نقد ہے جو با مقصد و تعمیری ہو۔ بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ طاقت وڈاکٹیٹر شپ لوگوں کو ایک و متحد کر سکتی ہے خواہ سیاسی ڈاکٹیٹر شپ ہو کہ جس میں عوام کی رائے دبا دی جاتی ہے یا ملی ہو کہ ایک مذہب کی رائے دوسروں پر مسلط کی جاتی ہے۔

واضح وصاف گفتگو کرنا اور اختلاف کو بے وقعت وکم حیثیت نہ جاننا:

بعض لوگ جذباتیت کے نتیجہ میں اس قسم کی سعی کرتے ہیں کہ گفتگو میں اختلاف کے حدود سے تجاوز کریں یا اس کو اہمیت نہ دیں جبکہ اختلاف واقعیت و قوت رکھتا ہے یہ رخ صحیح نہیں ہے یہ تو ایسا ہی ہے کہ کوئی مریض ہسپتال کو جائے اور نوعیت یہ ہو کہ مرض کی وجہ سے اس کا جسم پھٹا جا رہا ہو لیکن ہسپتال میں اس کے سامنے اس کے مرض اور مرض کے جائزہ سے متعلق بہت سجا و سنوار کر بات کی جائے اور اس کو ثابت و باآور کرایا جائے کہ وہ بالکل صحت مند اور ٹھیک ٹھاک ہے۔ اور اس واضع و صاف گفتگو کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے درمیان پائے جانے والے اختلافات سے متعلق ہم دوٹوک بات کریں مگر اس طرح کہ حدود سے تجاوز نہ ہو اور اس گفتگو سے اختلافات کے سلبی پہلوؤں کا خاتمہ ہو جائے اور یہ اس انداز پر ہو کہ ہم یہ نہ سمجھیں کہ ہم
حق کی مرجعیت کی نمائندگی کر رہے ہیں اور ہم ہی قطعی طور سے حق پر ہیں بلکہ زیادہ یہ انداز ہو کہ ہم دوسروں کو اپنی طرف آنے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

فہم صحیح نیز باہمی ربط کے حدود کا خیال:

بہت سے اختلافات اس وجہ سے وجود میں آتے یا بڑھتے ہیں کہ ان کا کسی خاص غرض کے تحت پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے یا ایسا ہوتا ہے کہ کسی کے حق میں کوئی بات پوری تحقیق واطمینان کے بغیر کہی جاتی و نقل کی جاتی ہے یا کوئی بڑا تاثر اس کے پیچھے ہوتا ہے اور وہ تاثر خود کسی صحیح علم پر مبنی نہیں ہوتا اس طرح کی اور بہت سی باتیں ہوتی ہیں جن کی وجہ سے مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے حق میں دوری اور بغض وعداوت رکھتے ہیں اور یہ حال دوسروں کو صحیح طور سے نہ سمجھنے کا نتیجہ ہوتا ہے آدمی کوئی تاثر کسی مضمون کسی کتاب یا چند کتابوں یا کسی خاص واقعہ کی وجہ سے قائم کر لیتا ہے جبکہ حقیقت اس کہیں وسیع اور کہیں دور ہوتی ہے اختلاف کرنے والوں کو سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو اچھی طرح اور صحیح طور پر سمجھیں اس میں کسی رد عمل ادھر ادھر کے گمان اور ان خیالات کا دخل نہ ہو جس کے پیچھے نہ مضبوط دلیل و محبت ہوتی ہے اور نہ ہی واقع ہوتا ہے۔ حقیقت کے مقابلے میں ان مخاصمانہ گفتگو و قصہ کہانیوں سے بڑھ کر براجرم کیا ہوگا جن کے بعد اور جن کے سامنے موضوعیت اور معاملہ فہمی کے لئے کوئی موقع نہیں رہ جاتا اور باہمی مذاکرہ کرنے والے کشتی کے میدان کے پہلوان بن جاتے ہیں

اختلاف کے باوجود مخالفت کو فروغ نہ دیں:

ہمارے ہاں چھوٹے چھوٹے سیاسی مسائل پر ایک دوسرے کی وفاداری اور حب الوطنی کے سرٹیفکیٹ جاری ہونا شروع ہو جاتے ہیں میرے نزدیک کسی معاشرے میں اختلاف رائے کا ہونا اس معاشرے میں زندہ انسانوں کے وجود کا ثبوت ہے۔ اختلاف رائے انسانی ذہن کے دریچوں کو کھولتا ہے اور اندازِ تفکر میں وسعت پیدا کرتا ہے۔ تاہم جہاں اختلاف رائے معاشرے کے لیے سود مند ہے وہیں آج کل کے معاشروں میں اختلاف رائے بگاڑ بھی پیدا کر رہا ہے اور اس کی سیدھی اور سادہ وجہ وہ رویّے ہیں جو کسی صورت بھی کسی دوسری رائے کو سننا پسند نہیں کرتے اور اپنی بات کی صداقت کو ثابت کرنے میں انتہاء پسندی کی حد تک چلے جاتے ہیں جو معاشرے کی اخلاقی فضا کو آلودہ کرتی ہے۔

انسان کو اللہ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اسے عقل، شعور اور ذہن جیسی عظیم نعمتوں سے نوازا ہے۔ لہذا مختلف معاملات میں مختلف لوگوں کا مختلف زوایہ نگاہ ہونا عین فطرت ہے۔ انسان کوئی مشین نہیں جو ایک ہی کمانڈ پر کام کرے بلکہ عقل و شعور ہر انسان میں رکھ دی گئی ہے۔ انسان جس طرح اپنے جسمانی اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں، بالکل اسی طرح مختلف لوگ شعوری اور ذہنی اعتبار سے بھی مختلف ہیں۔ کسی کو اللہ نے کمال فطانت اور معاملہ فہمی سے نوازا ہے تو کسی کو اس درجے کی سمجھ عطا نہیں کی۔ دنیا کا ہر معاشرہ اختلاف رائے کو تسلیم کرنے کا قائل ہے، دنیا کا ہر مذہب اور ہر قانون اختلاف رائے کی اجازت دیتا ہے اور مذہب اسلام تو ایسے تمام رویوں کی، جن کی حدیں انتہاء پسندی سے ملتی ہوں، مذمت کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو قرآن پاک میں یوں بیان کیا ہے

اگر یہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً اس میں بہت اختلاف پاتے [25]

اس آیت سے ایک بات واضح طور پر ثابت ہو رہی ہے کہ اللہ کی کامل ذات کے علاوہ کسی سے اختلافات کا ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں بلکہ یہ بالکل ممکن اور فطری بات ہے۔ اللہ کے علاوہ اگر کوئی شخصیات ایسی ہیں جنہیں اختلافات سے پاک کہا جاسکتا ہے تو وہ اللہ کے بھیجے گئے برگزیدہ انبیاء ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمادیا

قسم ہے تیرے رب کی یہ ایماندار نہیں ہوسکتے جب تک کہ آپس کے تمام اختلافات میں تجھے ہی حاکم نہ مان لیں [26]

اس آیت میں ایک طرف صرف نبی ﷺ کی ذات کو اختلاف سے پاک کر دیا ہے اور صرف آپ ﷺ کے احکام کو من و عن تسلیم کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو دوسری جانب یہ بات بھی کسی صاحب فکر سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ اس آیت میں واضح طور پر بتادیا گیا ہے کہ مسلمانوں میں اختلافات ہوں گے۔

انبیاء کے بعد کی معتبر ترین ہستیاں اصحاب محمد ﷺ ہیں۔ اگر صحابہ کرام کو دیکھا جائے تو مختلف مواقع ایسے ہیں جب صحابہ کرام نے آپس میں ایک دوسرے سے دینی، فقہی اور دیگر معاملات میں اختلاف رائے کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی

عنہا، حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کا قصاص حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ پر اختلاف کسی سے پوشیدہ نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کا یہ اختلاف کہ میت کے گھر والوں کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے یا نہیں۔[27]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالی عنہ کا مال جمع کرنے کے معاملے پر اختلاف اور اس قسم کے دوسرے بہت سی اختلافات ہیں۔ خود نبی اکرم ﷺ نے بدر کے قیدیوں سے متعلق صحابہ سے رائے لی تو مختلف آراء سامنے آئیں۔ لیکن یاد رہے کہ نبی کریم علیہ السلام کی بارگاہ میں رائے تو پیش کی جاسکتی ہے آپ علیہ السلام سے اختلاف نہیں کیا جاسکتا رائے پیش کرنے کے حوالے سے مختلف احادیث ملتی ہیں میں ایک پیش کر دیتا ہوں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ علیہ السلام کے گرد بیٹھے ہوئے تھے اور ہمارے ساتھ دیگر صحابہ کرام کے علاوہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ اچانک رسول اللہ ﷺ اٹھ کر چلے گئے اور کافی دیر تک تشریف نہ لائے، ہمیں خوف ہوا کہ کہیں خدانخواستہ آپ علیہ السلام کو کوئی تکلیف پہنچی ہو۔ اس خیال سے ہم سب اٹھ کھڑے ہوئے، سب سے پہلے میں گھبرا کر آپ کی تلاش میں نکلا اور بنو نجار انصار کے باغ تک پہنچ گیا، میں باغ کے چاروں طرف گھومتا رہا لیکن مجھے اندر جانے کے لیے کوئی دروازہ نہ ملا۔ اتفاقاً ایک نالہ دکھائی دیا جو باہر کے کنوئیں سے باغ کے اندر کی طرف جا رہا تھا، میں لومڑی کی طرح گھسٹ کر اس نالے کے راستے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک جا پہنچا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابو ہریرہ ہو؟ میں نے عرض کیا جی یارسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے، پھر اچانک اٹھ کر تشریف لے گئے، آپ کی واپسی میں دیر ہو گئی، اس وجہ سے ہمیں خوف دامن گیر ہوا کہ کہیں دشمن آپ کو تنہا دیکھ کر پریشان نہ کریں، ہم سب گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور سب سے پہلے میں آپ کی تلاش میں نکلا۔ آخر کار میں اس باغ تک پہنچا اور لومڑی کی طرح گھسٹ کر باغ کے اندر آگیا باقی لوگ میرے پیچھے آرہے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے نعلین مبارک مجھے عطا کیے اور فرمایا: اے ابو ہریرہ! میرے یہ دونوں پاپوش لے جاؤ اور اس چار دیواری کے پیچھے جو شخص تمہیں یقین قلبی کے ساتھ لا الہ الا اللہ کی گواہی دیتا ہوا ملے اسے جنت کی بشارت دے دو۔ حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ باغ کے باہر سب سے پہلے میری ملاقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ انہوں نے پوچھا: اے ابو ہریرہ! یہ پاپوش کیسے ہیں؟ میں نے کہا: یہ رسول اللہ ﷺ کے نعلین مبارک ہیں جو آپ ﷺ نے مجھے اس لیے دیے ہیں کہ جو شخص بھی مجھے یقین قلبی کے ساتھ لا الہ الا اللہ کی گواہی دیتا ہوا ملے اُسے میں حضور ﷺ کی طرف سے جنت کی بشارت دے دوں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے میرے سینے پر زور سے ہاتھ مارا جس کی وجہ سے میں پیٹھ کے بل گر پڑا۔ پھر حضرت عمر

رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا: اے ابو ہریرہ! واپس جاؤ۔ تو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں واپس آکر رونے لگا میرے پیچھے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے مجھے پوچھا: اے ابو ہریرہ کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا سب سے پہلے میری ملاقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہوئی میں نے ان کو آپ ﷺ کا پیغام پہنچایا تو انہوں نے میرے سینے پر دھکا مار کر مجھے پیٹھ کے بل گرا دیا اور کہا واپس چلے جاؤ۔ تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا اے عمر تم نے ایسا کیوں کیا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا واقعی آپ نے ابو ہریرہ کو اپنے نعلین دے کر بھیجا کہ جو شخص اسے یقین قلب کے ساتھ کلمہ طیبہ کی گواہی دیتا ہوا ملے، اسے یہ جنت کی بشارت دے دے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ایسا نہ کریں کیوں کہ مجھے اندیشہ ہے کہ لوگ پھر صرف اسی بشارت پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے۔ آپ انہیں دین کے اوامر و نواہی پر عمل کرنے دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اچھا پھر انہیں عمل کرنے دو۔[28]

اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین اپنی رائے پیش کرتے تھے کبھی مانی جاتی تھی اور کبھی نہیں مانی جاتی تھی کبھی کسی ایک کی رائے پہ سب کو عمل کرنے کا کہا جاتا تھا مگر مجال ہے کہ طرفین میں سے کسی ایک نے کبھی دوسرے فریق پر فتویٰ جاری کیا ہو یا ان کے ایمان کے متعلق رائے دی ہو یا ان کے محب ہونے پر اعتراض کیا ہو، ان کی شان میں کسی طرح کی کمی کی ہو۔ مگر افسوس کہ آج کے اس مسلمان معاشرے میں ہمارے اندر اتنا بھی مادہ نہیں کہ کسی دوسرے کی رائے کو سنیں اور پسند کریں۔ ہمارے ہاں چھوٹے چھوٹے سیاسی مسائل پر ایک دوسرے کی وفاداری اور حب الوطنی کے سرٹیفکیٹ جاری ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ ذرا سے اختلافات پر خارجی ایجنٹ، بیرونی ایجنٹ اور ملک دشمنی کا لیبل لگا دیا جاتا ہے۔ محض جماعتی بنیادوں پر اختلاف کیا جاتا ہے اور پھر اپنی آخری حد کو پہنچ جاتے ہیں۔ نجی اور ذاتی معاملات کو لے کر، بلا سیاق و سباق چیزوں کو لے کر ایک دوسرے پر فتوے جاری کر دیئے جاتے ہیں۔ اور دل تو خون کے آنسو تب روتا ہے جب پڑھے لکھے حضرات اور ملکی و قومی سطح کے معتبر افراد اس طرح کا رویہ اپناتے ہیں۔

ایک بات تو مسلّم ہے کہ کسی قوم میں مختلف سیاسی پارٹیاں بنیں گی تو ان کا منشور بھی الگ ہو گا اور جس کی اجازت خود ہمارا آئین دیتا ہے۔ مگر کیا یہ رویہ جو ہم اپنا رہے ہیں، مناسب ہے؟ کیا جس قومی خدمت کے ہم دعویدار ہیں وہ اس رویّے سے ممکن ہے؟ اور یہ بات بھی طے ہے کہ اسلام کے ماننے والے مختلف گروہوں میں تقسیم ہوں گے۔ مگر کیا اس بنیاد پر اپنے ہم مذہب لوگوں کا قتل کرنا یا ان کی تکفیر جائز قرار دے دیں اور دوسروں کے ایمان کے فیصلے کرنا شروع کر دیں ہمارا مذہب اسلام تو اختلاف کی صورت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے رجوع کی تعلیم دیتا ہے۔ ہمارا مذہب اختلاف کی صورت

میں فریقین کے درمیان صلح کا درس دیتا ہے۔ ہمارا مذہب تو واضح کہہ رہا ہے کہ کسی قوم کی دشمنی کے باعث بھی انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ مگر افسوس صد افسوس کہ اغیار تو دُور، ہم اپنے ہم وطن اور ہم مذہب لوگوں کے حق میں بھی پوری خوش دلی کے ساتھ انصاف کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتے اور پھر اغیار اور دشمن کا معاملہ تو بعد میں آتا ہے۔

دوسروں کی آراء اور اختلافات کو برداشت کرنا ہماری اخلاقی، آئینی اور مذہبی ذمہ داری ہے۔ اختلاف رائے کو معاشرے کی ترقی میں خاص اہمیت حاصل ہوتی ہے اور ہماری تنزلی کی ایک وجہ شاید ہماری یہی عدم برداشت بھی ہے۔ آیئے ہم مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہونے اور اس پرچم کے سائے تلے ایک ہونے کا عملی مظاہرہ کریں اور تمام باطل قوتوں کے ارادوں کو پاش پاش کریں۔ اسی اختلاف اور مخالفت کے حوالے سے زمانہ قریب کے مشہور عالم دین اور فلسفی علامہ وحید الدین خان کی ایک بہت خوبصورت تحریر ملتی ہے جس میں آپ بہت ہی خوبصورت انداز میں اس معاملے کو سمجھاتے ہیں آپ فرماتے ہیں۔

اختلاف کا مسئلہ:

مسلمانوں کے اندر بڑے پیمانے پر مذہبی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ یہ اختلاف بڑھ کر کبھی تشدد کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ ان اختلافات کا سبب مدارس کا نصاب ہے۔ ان کے خیال کے مطابق اگر مدارس کے نصاب میں اصلاح کردی جائے تو اختلاف کا خاتمہ ہو جائے گا اور لوگوں کے اندر اتحاد و اتفاق کی حالت قائم ہو جائے گی مگر یہ اصل صورت حال کا کم تر اندازہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اختلاف کا سبب فطرت انسانی میں ہے نہ کہ مدارس کے نصاب میں پیدائش کے اعتبار سے، ہر مرد مسٹر ڈفرنٹ ہوتا ہے اور ہر عورت مس ڈفرنٹ یہی فطری فرق اختلاف کا اصل سبب ہے۔ اگر تمام مدارس کا نصاب ایک کردیا جائے تب بھی اختلاف باقی رہے گا، کیونکہ خواہ نصاب کی سطح پر اختلاف نہ ہو تب بھی فطرت کی سطح پر اختلاف موجود رہے گا، وہ کبھی ختم ہونے والا نہیں۔

حضرت علی اور حضرت معاویہ دونوں ایک ہی مدرسہ، مدرسہ نبوت کے تعلیم یافتہ تھے، اس کے باوجود دونوں میں اختلاف پیدا ہوا۔ ابوالحسن اشعری اور واصل بن عطا دونوں ایک ہی مدرسہ کے تعلیم یافتہ تھے اس کے باوجود دونوں میں اختلاف پیدا ہوا۔ موجودہ زمانے میں سر سید احمد خان اور مولانا قاسم نانوتوی دونوں ایک ہی مدرسہ کے تعلیم یافتہ تھے، اس کے باوجود دونوں کے درمیان اختلاف پیدا ہوا۔ مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا حسین احمد مدنی دونوں ایک ہی مدرسہ کے تعلیم یافتہ تھے اس کے باوجود دونوں میں اختلاف پیدا ہوا۔ مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا مسعود علی ندوی دونوں ایک ہی مدرسہ کے تعلیم یافتہ تھے، اس کے باوجود دونوں میں اختلاف پیدا ہوا۔ اصل یہ ہے کہ خواہ دو آدمیوں نے ایک ہی مدرسہ

اور ایک ہی نصاب کے تحت تعلیم پائی ہو لیکن طرز فکر کی سطح پر ہمیشہ ایک آدمی اور دوسرے آدمی کے درمیان فرق ہوتا ہے یہی فرق ہے جو اختلافات کا سبب بن جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ بڑھ کر نفرت اور تشدد تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ اختلاف یا فرق چونکہ فطرت انسانی کا حصہ ہے اس لیے وہ کبھی ختم ہونے والا نہیں ایسی حالت میں اختلاف کے مسئلے کا حل یہ نہیں ہے کہ ناکام طور پر اس کو ختم کرنے کی کوشش کی جائے بلکہ اس کا حل یہ ہے

کہ لوگوں کو اس کہ تعلیم دی جائے جس کو اختلاف کے باوجود اتحاد کہا جاتا ہے، یعنی رائے کی سطح پر اختلاف لیکن سماجی تعلق کی سطح پر اتفاق دوسرے انسانوں کے طرز فکر میں اختلاف کوئی غیر مطلوب چیز نہیں بلکہ وہ عین مطلوب ہے۔ کیونکہ اس اختلاف کی بنا پر ایسا ہوتا ہے کہ لوگوں کے درمیان ڈسکشن اور ڈائیلاگ ہوتا ہے اور ڈسکشن اور ڈائیلاگ ذہنی ارتقا کا ذریعہ ہے جہاں ڈسکشن اور ڈائیلاگ نہ ہو وہاں یقینی طور پر ذہنی جمود پیدا ہو جائے گا اور ذہنی جمود سے زیادہ تباہ کن اور کوئی چیز انسان کے لئے نہیں۔[29]

خلاصہ

آخر میں یہی گذارش کروں گا کہ جب تک لوگ زندہ ہیں اور ان میں عقل باقی ہے اور وہ خیالات کے اظہار میں آزاد ہیں تو اختلاف ضرور رہے گا لیکن ہم اس اختلاف کے باجود ایک اچھے معاشرہ کا سنگ بنیاد رکھ سکتے ہیں اس کے لیے لازم ہے کہ جس سے ہمیں اختلاف ہو اس کی عزت کریں اس کے لیے برے القابات کا استعمال نہ کریں اس کی غیبت نہ کریں اور اس سے جب بھی ملاقات ہو اس سے اچھے انداز کے ساتھ ملیں اور جب دیکھیں کہ آپ کی نسبت اس کے مؤقف کے دلائل قوی ہیں تو بغیر کسی لومۃ لائم کے اس مؤقف کو اختیار کر لیں۔ اور اگر آپ سمجھتے ہیں کہ آپ حق پر ہیں اور آپ فریق مخالف خطا پر ہے تب بھی ایسا ماحول بنائیں کہ وہ آپ کی طرف راغب ہو جس طرح ایک گھر میں رہنے والے بہن بھائی ماں باپ میاں بیوی کا آپس میں بعض مرتبہ ایک دوسرے سے کسی مسئلہ پہ اختلاف ہو جاتا ہے لیکن پھر بھی ایک ہی گھر میں رہتے ہیں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں یہی انداز پوری امت مصطفی کے ساتھ ہونا چاہیے۔ خدارا اختلاف رکھیں مخالفت نہ کریں کسی نہ کسی موڑ پہ اختلافات حل ہو جاتے ہیں لیکن مخالفت کبھی بھی ختم نہیں اور یہ تکلیف دیتی ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حوالہ جات(References)

1 ابن منظور، ابو الفضل جمال الدین، لسان العرب، جلد۹، صفحہ ۸۲، دار الفکر بیروت

2 الجرجانی، محمد السید الشریف، معجم التعریفات، صفحہ ۱۳۵، دار الفضیلہ بیروت

3 الفیروزآبادی، محمد بن یعقوب، بصائر ذوی التمیز، جلد ۲، صفحہ ۵۲۲، المکتبۃ العلمیہ بیروت

4 ابن ہمام، کمال الدین محمد، شرح فتح القدیر، جلد ۶، صفحہ ۳۹۴، دار الکتب العلمیہ بیروت

5 القرآن، سورۃ الھود، آیت نمبر ۱۱۸

6 القرآن، سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۲۱۳

7 القرآن، سورۃ الھود، آیت نمبر ۱۱۹، ۱۱۸

8 القرآن، سورۃ الحجرات، آیت نمبر ۹

9 البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، جلد ۲، صفحہ ۵۱۹، قدیمی کتب خانہ کراچی

10 البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، جلد ۱، صفحہ ۵۱۷، قدیمی کتب خانہ کراچی

11 القرآن، سورۃ الشوریٰ، آیت نمبر ۱۰

12 القرآن، سورۃ النساء، آیت نمبر ۵۹

13 القرآن، سورۃ الاسراء، آیت نمبر ۹

14 القرآن، سورۃ الاحزاب، آیت نمبر ۲۱

15 القرآن، سورۃ العنکبوت، آیت نمبر ۴۶

16 القرآن، سورۃ الص، آیت نمبر ۷۶، ۷۵

17 القرآن، سورۃ آل عمران، آیت نمبر ۱۵۹

18 القرآن، سورۃ آل عمران، آیت نمبر ۱۵۹

19 القرآن، سورۃ الشوریٰ، آیت نمبر ۳۸

20 السیوطی، جلال الدین، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، جلد ۶، صفحہ ۳۵۷، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور

21 ابوداود، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داود، حدیث نمبر ۳۶۵۷، مکتبہ رحمانیہ کراچی

22 القرآن، سورۃ الرحمن، آیت نمبر ۱۰

23 القرآن، سورۃ الفتح، آیت نمبر ۱

24 البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، حدیث نمبر ۳۶۲۷، مکتبہ رحمانیہ کراچی

25 القرآن، سورۃ النساء، آیت نمبر ۸۲

26 القرآن، سورۃ النساء، آیت نمبر ۶۵

27 الشبریزی، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ، مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، جلد ۵، صفحہ ۴۸۳، المکتبۃ السلفیہ لاہور

28 مسلم، مسلم بن الحجاج، صحیح المسلم، حدیث نمبر ۱۴۷، مکتبہ رحمانیہ کراچی

29 خان، وحید الدین، تذکیر القرآن، صفحہ ۲۴۳، مکتبہ الرسالہ دہلی